درس نظامی کی تاریخی، دینی اور سماجی اہمیت

پروفیسر محمد اسلم ، پنجاب یونیورسٹی ، لاہور

(۲)

سلطان التمش

سلطان المشائخ سے روایت ہے کہ سلطان شمس الدین التمش کی وفات کے بعد کسی نے اُسے خواب میں دیکھا اور اس سے پوچھا کہ اس کے ساتھ کیا ماجرا گذرا۔ سلطان نے کہا کہ حوضِ شمسی تعمیر کرنے کی وجہ سے اس کی مغفرت ہو گئی ہے۔[۵۴]

حضرت نظام الدین سے روایت ہے کہ خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے فرزندوں کو سرکاری زمین ملی۔ اس زمین کے بارے میں ان کا مقطع سے کچھ اختلاف ہو گیا۔ بیٹوں کے اصرار پر خواجہ بزرگ خود دہلی گئے تاکہ سلطان التمش سے مل کر یہ قضیہ طے کرا دیں۔ خواجہ قطب الدین نے اپنے مرشد سے کہا کہ وہ یہ تکلیف نہ کریں، موصوف خود سلطان سے مل کر ان کا کام کروا دیں گے۔ جب خواجہ قطب الدین سلطان التمش کے ہاں پہنچے تو وہ انھیں دیکھ کر بڑا حیران ہوا۔ اس سے قبل اس نے ان سے ملنے کی کئی بار

---

۵۴ ایضاً ، ورق ۱۱۵ الف۔

[illegible] خواجہ صاحب اسے اپنے ہاں آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے
خواجہ صاحب نے سلطان کو منغلی کے ساتھ اختلاف سے آگاہ کیا اور اس نے فوراً ان کا کام کر دیا[۵۵]

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ قاضی [illegible] سے منقول ہے کہ سلطان شمس الدین التمش اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ایک ہی سال میں فوت ہوئے تھے[۵۶]

معز الدین کیقباد

عام طور پر سلطان معز الدین کیقباد (۱۲۸۷ء تا ۱۲۹۰ء) کو ایک عیاش مزاج حکمران سمجھا جاتا ہے جس کے شب و روز فسق و فجور کی مجلسوں میں گذرتے تھے۔

درر نظامی کی روایت ہے کہ کیقباد نے اپنے دادا سلطان غیاث الدین بلبن کی روح کو ایصالِ ثواب کے لیے اپنے ایک معتمد خواجہ سرا کافور کو حکم دیا تھا کہ وہ ہر جمعہ کو خیرات کیا کرے۔ ایک بار کافور نے اس رقم میں سے دو ٹنکے سلطان جی کی خدمت میں بھی بھیجے جو انھوں نے قبول کر لئے۔ اس کے بعد بھی وہ متواتر کئی جمعے سلطان جی کی خدمت میں بھی کچھ رقم بھیجتا رہا[۵۷]

عہد علائی

جس زمانے میں علی بن محمود جاندار درر نظامی مرتب کر رہے تھے وہ

۵۵؎ ایضاً، ورق ۸۳ ب۔

۵۶؎ ایضاً، ورق ۱۱۵ الف۔

۵۷؎ ایضاً، ورق ۱۰۱ ب۔

سلطان علاء الدین خلجی کا دورِ حکومت تھا۔ اس کی سخت گیر پالیسی کے باوجود چوری چکاری عام تھی۔ جامعِ ملفوظات رقمطراز ہیں کہ بزرگوں کے گھر بھی غیر محفوظ تھے۔ ایک بار چور شیخ احمد نہروالی کے گھر کا بھی صفایا کر گئے تھے[58]

صدر نظامی کے ایک اندراج سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ علاء الدین خلجی کے زمانے میں مسلح ہندو باغی جنگلوں میں مسافروں کو لوٹا کرتے تھے[59] ایک دوسرے موقع پر علی بن محمود جاندار لکھتے ہیں کہ اس زمانے میں راستے غیر محفوظ تھے[60]

علاء الدین خلجی کا عہدِ حکومت خیر و برکت کا دور سمجھا جاتا ہے۔ حضرت نظام الدین اس بابرکت عہد کے لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اکثر لوگوں کے مال حرام اور مشتبہ ہیں[61]

آج ہمارے زمانے میں لوگوں کے مال کی کیا حیثیت ہے ؟

قدیم دہلی

جامع ملفوظات لکھتے ہیں کہ ابتداء میں غیاث پور، جہاں حضرت نظام الدین رہتے تھے، ایک معمولی سا گاؤں تھا[62] اور وہاں بہت کم آبادی تھی۔ جب سلطان کیقباد نے کیلوگھری میں سکونت اختیار کی تو لوگوں کی توجہ غیاث پور کی طرف ہوئی[63]

علی بن محمود جاندار نے حوضِ رانی کے نواح میں "باغِ حسرت" کی نشان دہی

---

[58] ایضاً، ورق ۷۵ الف۔

[59] ایضاً، ورق ۵۴ ب۔

[60] ایضاً، ورق ۸۷ الف۔

[61] ایضاً، ورق ۵۹ الف۔

[62، 63] ایضاً، ورق ۷۳ الف ــــ "موضعی مجہول بود ــــ"

کی ہے[۶۴] حوض رانی کے علاقے میں اب شاندار بنگلے بن گئے ہیں اور ہمارے فاضل دوست
قاضی سجاد حسین پرنسپل مدرسہ فتح پوری نے بھی وہیں ایک بنگلہ تعمیر کر دیا ہے۔

راقم الحروف نے جوامع الکلم کے بار بار مطالعہ سے قدیم دہلی کے تیرہ دروازوں
کا کھوج لگایا تھا۔ ضیاء الدین برنی نے چودھویں دروازے "بھنڈکال" کی نشاندہی
کی ہے[۶۵] حضرت برہان الدین غریبؒ کے ملفوظات نفائس الانفاس میں پندرھویں
دروازے "دروازہ پل" کا سراغ ملتا ہے[۶۶] درر نظامی میں دہلی کے سولہویں دروازہ
"دروازہ کمال" کا ذکر آیا ہے[۶۷]

علی بن محمود جاندار نے ایک بزرگ شیخ حاجی رودبہ کا ذکر کیا ہے جن کی
"دروازۂ غزنین کے باہر فصیل کے ساتھ تھی۔[۶۸]

بیعت کا آغاز

حضرت نظام الدین اولیاء نے ایک روز حاضرین مجلس کو بتایا کہ بیعت کی ابتدا
بیعتِ رضوان سے ہوئی ہے[۶۹]

ہماری یہ ناقص رائے ہے کہ بیعتِ رضوان سے بھی آٹھ سال قبل عقبہ کی گھاٹی

---

[۶۴] ایضاً، ورق ۷۲ ب۔

[۶۵] ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، مطبوعہ علی گڈھ ۱۹۵۷ء ج ۲، ص ۱۱۰

[۶۶] عماد کاشانی، نفائس الانفاس، مخطوطہ مخزونہ ندوۃ العلماء لکھنؤ، نمبر ۳۳۲
ص ۶۵۔

[۶۷] درر نظامی، ورق ۷۲ الف۔

[۶۸] ایضاً، ورق ۸۵ ب۔

[۶۹] ایضاً، ورق ۳۶ ب۔

میں بیعت کی ابتدا ہوئی تھی جس میں انصار نے آنحضرتؐ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اس بات کا عہد کیا تھا کہ وہ اپنی جان، مال اور اولاد سے بڑھ کر آپ کی حفاظت کریں گے۔

توبہ کی اقسام

ایک روز حضرت نظام الدین اولیاء نے حاضرین مجلس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ توبہ کی تین اقسام ہیں: ماضی، حال اور مستقبل۔

ماضی کی توبہ یہ ہے کہ دشمنوں کو راضی کرے۔ مثلاً اگر کسی شخص کے دس درہم غصب کیے ہوں تو وہ توبہ توبہ کہنے سے معاف نہیں ہوں گے تا آنکہ دس درہم مالک کو لے جا کر نہ دے۔ اگر کسی شخص کو گالی دی ہو اور وہ مر گیا ہو تو اس کی صفات بیان کرے اور اس کے لیے دعائے مغفرت کرے۔ اور اگر اس سے زنا کا ارتکاب ہوا ہو تو توبہ کرے، لوگوں کو کھانا کھلائے اور شربت پلائے۔

حال کی توبہ یہ ہے کہ اپنے گناہوں پر پشیمان اور نادم ہو۔ مستقبل کی توبہ یہ ہے کہ وہ عہد کرے کہ آئندہ گناہ نہ کرے گا۔

اس موقع پر حضرت محی الدین کاشانی نے سلطان المشائخ سے پوچھا کہ اگر کسی نے اوائلِ جوانی میں گناہ کیا ہو اور بعد میں توبہ کر لی ہو لیکن کبھی کبھی دل میں اس پرانے گناہ کا خیال آجاتا ہو، تو اُسے یہ کیسے معلوم ہو کہ اس کی توبہ قبول ہوگئی ہے اور اس گناہ کا اثر زائل ہوگیا ہے۔ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ وہ یہ دیکھے کہ اگر اس گناہ کے تصور سے اسے لذت محسوس ہوتی ہو تو وہ یہ سمجھ لے کہ ہنوز اس گناہ کا اثر باقی ہے (یعنی اس کی توبہ قبول نہیں ہوئی) اور اگر اس کے تصور سے دل میں نفرت پیدا ہوتی ہو تو وہ یہ جان لے کہ اس گناہ کا اثر زائل ہو چکا ہے اور یہ توبہ کی قبولیت

کی دلیل ہوگی۔[40]

معرفت کی حقیقت

سلطان المشائخؒ فرماتے ہیں کہ ایک بار کسی اجنبی نے حضرت بایزید بسطامیؒ سے کہا کہ آپ معرفت کے معنی بتائیں۔ حضرت نے کھانا منگوا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ اگلے روز اس نے پھر یہی سوال کیا تو حضرت نے حسبِ سابق کھانا منگوا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ اس نے کہا کہ وہ ان سے معرفت کے بارے میں سوال کرتا ہے اور موصوف جواب دینے کی بجائے کھانا منگوا کر اس کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا۔ "میرے بھائی یہی معرفت ہے۔ کسی کی حاجت پوری کرو اور کسی کو راحت پہنچاؤ۔"[41]

حضرت نظام الدینؒ فرماتے ہیں کہ غزنین سے مولانا فخرالدین نامی ایک بزرگ کسی پیر پارسا سے ملنے گئے۔ جب یہ ان کے ہاں پہنچے تو اس وقت پیر صاحب مہمانوں کے لئے کھانا پکانے میں مصروف تھے، اس لئے مولانا کی ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ ایک دن مولانا نے پیر صاحب سے کہا کہ وہ اتنا لمبا سفر کر کے ان سے استفادہ کرنے آئے تھے اور وہ کھانا پکانے میں مصروف رہتے ہیں، اس لئے استفادہ کا موقع ہی نہیں ملتا۔ پیر صاحب نے مولانا سے پوچھا کہ انھوں نے معرفتِ خدا کے موضوع پر بھی کچھ پڑھا ہے؟ مولانا نے کہا کہ انھوں نے تو اس موضوع پر کئی کتابیں لکھی ہیں۔ پیر صاحب نے فرمایا کہ اگر وہ معرفتِ خدا سے باخبر ہوتے تو پھر کتابیں نہ لکھتے۔[42]

---

[40] ایضاً، ورق ۱۴ الف، ۱۴ ب ۔

[41] ایضاً، ورق ۱۲ ب ۔

[42] ایضاً، ورق ۱۳ الف ۔

صوفیوں کے ہاں یہ بات مشہور ہے کہ جو شخص معرفتِ خدا کے بارے میں علم رکھتا ہے وہ اس موضوع پر قلم نہیں اٹھاتا اور جو اس کے متعلق لکھتا ہے، وہ معرفت کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔

تائب اور متقی میں فرق

ایک روز حضرت نظام الدین اولیاء کی مجلس میں تائب اور متقی کے موضوع پر بحث چل نکلی۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ تائب بہتر ہے اور بعض لوگوں کی یہ رائے تھی کہ متقی کو اس پر فضیلت حاصل ہے۔ تائب کے طرفداروں نے کہا کہ وہ معاصی کا مزہ چکھ کر تائب ہوا ہے، متقی تو گناہ کی لذت ہی سے ناآشنا ہے اس لیے اس کے تقوے میں کوئی کمال نہیں ہے۔

حضرت نظام الدین نے طرفین کی بات سن کر فرمایا کہ ایک بار لوگوں نے کسی جولاہے سے پوچھا کہ متقی اور تائب میں کیا فرق ہے؟ اس نے کہا کہ وہ متقی اور تائب کے معنی نہیں جانتا۔ لوگوں نے اسے بتایا کہ متقی وہ ہے جس نے کبھی کوئی گناہ نہ کیا ہو اور تائب وہ ہے جس نے گناہ کیا ہو اور پھر توبہ کر لی ہو۔ جولاہے نے جواب دیا کہ وہ ایک بات جانتا ہے کہ ایک تاگہ وہ ہے جو ٹوٹا نہ ہو اور اصلی جگہ پر ہو اور دوسرا تاگہ وہ ہے جو ٹوٹ جائے اور اسے جوڑ دیا جائے۔ اس کا تجربہ ہے کہ وہ دونوں تاگے برابر نہیں ہو سکتے۔[۲۱]

یہ واقعہ فوائد الفواد میں ۱۳ ماہ صفر ۷۱۹ھ کو منعقد ہونے والی مجلس کے ذیل میں بھی درج ہے۔

---

[۲۱] ایضاً، ورق ۱۵۱ الف

اخوت کی اقسام

ایک روز حضرت نظام الدینؒ نے حاضرینِ مجلس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اخوت دو طرح کی ہوتی ہے:

۱۔ اخوتِ نسب

۲۔ اخوتِ دین

ان دونوں میں سے اخوتِ دینی قوی تر ہے۔ اس کی دلیل دیتے ہوئے حضرت نے فرمایا کہ اگر دو حقیقی بھائی ہوں اور ان میں سے ایک کافر ہو اور دوسرا مومن ہو تو مومن اپنے کافر بھائی کی میراث نہیں لے سکتا۔ اسی لئے اخوتِ نسب کمزور ہے۔ اب رہی اخوتِ دین، تو یہ بڑی مضبوط ہے کیونکہ ان بھائیوں کا تعلق دنیا میں تو ہے ہی آخرت میں بھی رہے گا۔[۵۴]

نفلوں کی جماعت

چشتیوں کے ہاں جماعت کے ساتھ نفل ادا کرنے کا رواج تھا۔ حضرت سلطان المشائخؒ نے اسے اپنے بزرگوں کا مسلک بتایا ہے۔ موصوف نے حاضرینِ مجلس کو بتایا کہ بابا فریدؒ کے حکم سے انھوں نے بھی نفل با جماعت ادا کیے تھے بلکہ امامت کا شرف بھی انھیں کے حصّے میں آیا تھا۔[۵۵]

زکوٰۃ کی اقسام

حضرت نظام الدینؒ اولیاء نے ایک روز حاضرینِ مجلس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ زکوٰۃ کی تین اقسام ہیں:

---

۵۴ ایضاً، ورق ۵۷ الف۔

۵۵ ایضاً، ورق ۲۲ ب۔

۱۔ زکوٰۃِ شریعت

۲۔ زکوٰۃِ طریقت

۳۔ زکوٰۃِ حقیقت

زکوٰۃِ شریعت یہ ہے کہ دوسو درہم پر پانچ درہم زکوٰۃ دے۔ زکوٰۃِ طریقت یہ ہے کہ پانچ درہم اپنے پاس رکھ کر باقی رقم زکوٰۃ میں دے دے اور زکوٰۃِ حقیقت یہ ہے کہ پوری رقم زکوٰۃ میں دے دے اور اپنے پاس کچھ نہ رکھے۔[۲۶]

ہدیۂ شاہی کا حکم

سلطان المشائخؒ نے ایک روز جامع ملفوظات کی موجودگی میں فرمایا کہ شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے مرشد حضرت ابوسعید تبریزیؒ اور ان کے مرید اکثر فاقے سے رہتے تھے۔ موصوف کسی سے کچھ نہ لیتے۔ دن کو اُن کا اور اُن کے مریدوں کا روزہ ہوتا تھا۔ مغرب کے وقت تمام حضرات کڑوے خربوزے (حنظل) سے افطار کرتے اور رات بھر عبادت میں مصروف رہتے۔ ایک روز حاکمِ تبریز نے قاصد کے ہاتھ کچھ رقم حضرت ابوسعید کے خادم کو بھجوائی۔ اس نے اسی رقم سے افطاری کا سامان خرید کر حضرت کے سامنے لا رکھا۔ اگلی صبح حضرت نے خادم کو بلا کر کہا کہ گذشتہ رات انھیں عبادت میں لذت محسوس نہیں ہوئی اس لیے وہ یہ بتائے کہ افطاری کا سامان کہاں سے آیا تھا؟ خادم نے ڈرتے ڈرتے سارا واقعہ سنایا۔ حضرت ابوسعید نے پوچھا کہ جب شاہی قاصد رقم لے کر خانقاہ میں آیا تھا تو وہ کہاں کھڑا ہوا تھا؟ خادم نے اس جگہ کی نشاندہی کی تو حضرت نے وہاں سے مٹی اکھڑوا کر خانقاہ سے باہر پھنکوا دی۔[۲۷]

۲۶؎ ایضاً، ورق ۴۶ الف۔

۲۷؎ ایضاً، ورق ۷۰ الف۔

بیعت صرف زندہ سے کرنی چاہیے

حضرت نظام الدینؒ اولیاء سے روایت ہے کہ بابا فریدؒ کا ایک بیٹا دہلی جاکر خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار پر بیٹھ گیا اور خود کو ان کا مرید سمجھ کر معتقد ہو گیا۔ یہ بات شیخ کی نظر میں ہوئی تو انھوں نے بیٹے کو لکھا کہ خواجہ صاحب ہمارے مخدوم اور مقتدا ہیں لیکن غائب سے بیعت جائز نہیں۔ صحیح بیعت وہ ہے جو زندہ شیخ کے ہاتھ پر کی جائے

اہلِ بہشت کا ایک گروہ

سلطان المشائخؒ فرماتے ہیں کہ ایسے خوش نصیب لوگ بھی ہوں گے جنھیں قیامت کے دن فرشتے اس طرح گھسیٹ کر بہشت میں لے جائیں گے جس طرح بچوں کو گھسیٹ کر مکتب کی طرف لے جاتے ہیں۔ وہ لوگ خدا کی بارگاہ میں التجا کریں گے کہ انھوں نے محبت کے ساتھ اس کی عبادت کی تھی لہٰذا اس عبادت کے صلے میں وہ بہشت میں نہیں جانا چاہتے۔ بارگاہِ خداوندی سے فرشتوں کو یہ حکم ملے گا کہ انھیں زنجیروں میں جکڑ کر زبردستی بہشت کی طرف لے جائیں[۷۶]

عصمتِ انبیاء

حضرت نظام الدینؒ نے ایک روز حاضرینِ مجلس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ انبیاء کرام گناہوں سے محفوظ اور معصوم ہوتے ہیں لیکن اولیاء اللہ گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں، معصوم نہیں[۷۷]

شہرت بعد از مرگ

سلطان المشائخؒ فرماتے ہیں کہ ایک بار لوگوں نے صوفی حمید الدین ناگوریؒ سے

---

۷۶ ایضاً، ورق ۳۷ الف۔

۷۷ ایضاً، ورق ۱۷ الف۔

۷۸ ایضاً، ورق ۸۸ الف۔

Dr. Zakir Husain Library Jamia Nagar

پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ بعض بزرگ مرنے کے بعد نامور ہو جاتے ہیں اور بعض بزرگوں کو لوگ بھلا دیتے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ جو بزرگ اپنی زندگی میں مشہور ہو گئے تھے وہ مر کر گمنام ہو گئے اور جو زندگی میں گمنام رہتے تھے وہ مر کر مشہور ہو گئے [۸۱]

حسین بن منصور حلاج

علی بن محمود جاندار رقمطراز ہیں کہ حضرت نظام الدین رحؒ نے ایک مجلس میں فرمایا کہ حسین بن منصور حلاج کی لاش جلا کر اس کی راکھ دجلہ میں بہادی۔ اتفاق سے سید احمد کبیر نے وہ پانی لیا۔ اسی سبب سے ان پر وجد و حال کی کیفیت طاری ہو گئی [۸۲]

کرنے کا کام

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دن کو روزہ رکھے، رات کو عبادت کرے اور وہ حرمین کی زیارت سے بھی مشرف ہو چکا ہو، تو سمجھ لیجئے کہ اس نے کچھ بھی نہیں کیا۔ اصل کام دل سے دنیا کی محبت ختم کرنا ہے۔ اگر کسی شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی دنیا کی محبت ہو اور وہ خدا سے محبت کا دم بھرتا ہو، تو جان لیجئے کہ وہ کذاب ہے۔ قیامت کے دن ایسا شخص خدا کے دوستوں کے سامنے شرمسار ہو گا۔ [۸۳]

عزلت کا فائدہ

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ عزلت کا فائدہ فکر و ذکر ہے اور یہ بزرگ ترین

---

۸۱ ایضاً، ورق ۹۶ الف۔

۸۲ ایضاً، ورق ۱۷ الف۔

۸۳ ایضاً، ورق ۷۰ ب۔

عبادت ہے ۔ یہ نعمت خلق سے خلوت اور گوشہ نشینی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔

مومن ہونے کی شرط

حضرت نظام الدینؒ فرماتے ہیں کہ ایتمور نامی ایک ترک نے دہلی میں ایک مسجد بنوائی اور بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کے بھائی شیخ نجیب الدین متوکلؒ کو امامت کے فرائض سونپے ۔ اس نے انھیں رہنے کے لئے ایک مکان بھی دیا۔ کچھ عرصہ بعد ایتمور نے اپنی بیٹی کی شادی بڑی دھوم دھام کے ساتھ کی اور اس تقریب پر ایک لاکھ ٹنکے سے بھی زیادہ رقم خرچ کر ڈالی ۔ ایک دن شیخ موصوف نے اس سے کہا کہ جب تک وہ اس سے زیادہ رقم راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتا اس وقت تک وہ مومن نہیں ہو سکتا۔ ایتمور نے ناراض ہو کر انھیں امامت سے الگ کر دیا اور مکان بھی خالی کرا لیا۔ شیخ نجیب الدینؒ اس سلوک پر بڑے رنجیدہ ہوئے اور دہلی سے اجودھن چلے گئے ۔ انھوں نے بابا صاحب کو اس واقعہ سے مطلع کیا۔ بابا صاحب نے ان سے کہا کہ ایسی باتوں پر دل تنگ نہیں کرنا چاہیئے ۔ مزید براں انھوں نے اپنے برادر خورد کی تسلی کے لیے یہ آیت بھی پڑھی :

مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا

(البقرہ : ۱۰۶)

کچھ عرصہ بعد ایتمر نامی ایک شخص اس نواح میں آیا اور اس نے بابا صاحب اور ان کے اعزا کی بڑی خدمت کی ۔[۸۵]

---

۸۴ ایضاً ، ورق ۷۰ ب

۸۵ ایضاً ، ورق ۱۸ الف ، ۱۸ ب ۔

مشائخ زادے

درر نظامی کے مطالعہ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اس زمانے کے مشائخ اپنے ناخلف فرزندوں کے ہاتھوں نالاں رہتے تھے۔ جامع ملفوظات مشائخ زادوں کے اطوار و اخلاق پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ

ایک شیخ طریقت نے اپنے فرزندوں کے بجائے ایک غلام کو اپنی مسند پر بٹھایا تھا۔[۸۶]

ایسا ہی ایک واقعہ حضرت اخی جمشید راجگیریؒ کے ملفوظات میں نقل ہوا ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ ایک شیخ کے سات بیٹے تھے اور اُن میں سے ہر ایک اپنے والد کی مسند پر بیٹھنے کی تمنا دل میں لئے بیٹھا تھا۔ جب اس بزرگ کی وفات کا وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ فلاں کلال کے ہندو غلام کو خرید کر اس کی خدمت میں پیش کریں۔ حضرت نے اس غلام کو کلمۂ شہادت پڑھایا اور ایک ہی توجہ میں اس کو سلوک کے تمام مقامات طے کرا کے اپنی مسند پر بٹھا دیا۔[۸۷] بیٹوں نے اس پر احتجاج کیا تو باپ نے ان سے کہا کہ اگر باپ مال و دولت چھوڑے تو اس کے وارث بیٹے ہوتے ہیں، عشق و محبت میں میراث نہیں ہوتی۔[۸۸]

---

۸۶ ایضاً، ورق ۴۶ الف

۸۷ تصوف کی اصطلاح میں اسے توجہ تسری کہتے ہیں۔ مرشد ایک ہی توجہ میں مرید کو تمام مقامات طے کرا دیتا ہے۔

۸۸ یحییٰ بن علی الاصغر: ملفوظات اخی جمشید راجگیری، مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی گلشن ۲۷/۲۶ فارسیہ مذہب و تصوف، ورق ۵۹ الف، ۵۹ ب۔

بابا فریدالدین گنج شکرؒ بھی اپنے فرزندوں سے خوش نہ تھے۔ موصوف فرمایا کرتے تھے کہ اگر عورت کو خلافت اور مشایخ کا سجادہ دینا مناسب ہوتا تو اپنی صاحبزادی بی بی شریفہ کو اپنا جانشین بنا دیتے۔[89] یہ تو اس وقت کے شیخ کے خیالات تھے۔ سلطان شمس الدین التمش بھی اپنے بیس بیٹوں کی موجودگی میں یہ کہا کرتا تھا کہ اس کی بیٹی رضیہ میں حکمران بننے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔

اختتام

درر نظامی کا اختتام اس شعر پر ہوتا ہے:

ای ساقی می بریز و ساغر بشکن
می با کہ بخوریم چون حریفان رفتند

---

[89] خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، مطبوعہ دہلی ۱۹۵۸ء،
ص ۱۳۶۔